کی پرستش کرتا انھوں نے "والدہ مرحومہ کی یاد میں" جو نظم لکھی ہے وہ ان کے جذبات محبّت کی قدرے ترجمانی کرتا ہے۔

علامّہ کی تصنیفات

(۱)	علم الاقتصاد	اُردو	نایاب ہے۔
۲۔	فلسفہ ایران	انگریزی	مل سکتی ہے
۳۔	اسرارِ خودی	فارسی	〃 〃 〃
۴۔	رموزِ بے خودی	〃	〃 〃 〃
۵۔	پیامِ مشرق	〃	〃 〃 〃
۶۔	زبورِ عجم	〃	〃 〃 〃
۷۔	لکچرز مدراس	انگریزی	〃 〃 〃
۸۔	جاوید نامہ	فارسی	〃 〃 〃
۹۔	بانگِ درا	اُردو	〃 〃 〃
۱۰۔	بالِ جبریل	〃	〃 〃 〃
۱۱۔	ضربِ کلیم	〃	〃 〃 〃
۱۲۔	مسافر	فارسی	〃 〃 〃
۱۳۔	"پس چہ باید کرد"	〃	〃 〃 〃
۱۴۔	ارمغانِ حجاز	فارسی و اُردو	〃 〃 〃

قدر دانی

عام قاعدہ تو یہ ہے کہ شعراء، حکماء، فلاسفہ کی قدر اُن کے بعد ہوتی ہے۔ لیکن اقبال

© rasailojaraid.com

کی شہرت اُن کی زندگی ہی میں کافی ہو چکی ہے۔

(۱) ترکی زبان میں عربی زبان میں اور انگریزی زبان میں ان کی بہت سی نظموں کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر نکلسن نے اسرار خودی کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا ہے۔ کئی جرمن علماء نے علامہ کے کلام اور فلسفہ پر تبصرہ جرمن زبان میں شائع کیا ہے۔ ان کے علاوہ یورپ کی مختلف زبانوں میں، ان کے فلسفہ پر محققانہ مضامین لکھے گئے ہیں۔

(میثاق مئی ۱۹۶۹ء)

★

مستقل خریدار توجہ فرمائیں

- پرچے کے لفافے پر مندرج اپنا خریداری نمبر نوٹ کر لیجئے بلکہ یاد کر لیجئے اور خط و کتابت کرتے وقت اس کا حوالہ ضرور دیجئے۔
- خصوصاً اگر آپ پرچہ کی عدم وصولی کی شکایت کر رہے ہیں تو خریداری نمبر کا حوالہ اشد ضروری ہے۔
- بدلِ اشتراک روانہ کرتے وقت بھی خریداری نمبر کا حوالہ ضروری ہے۔
- بدلِ اشتراک کسی ذاتی نام کی بجائے مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن کے نام روانہ کیجئے۔

(ادارہ)

فلسفۂ اقبال

'میثاق' جون ۱۹۶۹ء

علامہ اقبال مرحوم بلا شبہ ایک عظیم شاعر ہی نہیں، بہت بڑے فلسفی بھی تھے۔ ان کے فلسفہ کو عام طور پر "فلسفۂ خودی" کا نام دیا جاتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ بہت ہی کم لوگ اس سے واقف ہیں کہ ان کا اصل فلسفہ ہے کیا:

یہ تو سب ہی کو معلوم ہے کہ علامہ کی معرکۃ الآرا مثنوی "اسرار خودی" کا ترجمہ انگریزی میں پروفیسر نکلسن نے کیا ہے۔ لیکن یہ بات عام طور پر لوگوں کو معلوم نہیں کہ پروفیسر موصوف نے خود "اسرار خودی" کو سمجھنے کے لیے اوّلاً ڈاکٹر محمد شفیع مرحوم سے مدد لی جو اس وقت کیمبرج میں اپنے تحقیقی کام میں مصروف تھے (یہ ذکر ۱۹۱۸ء کا ہے) اور پھر جب اس ساری تگ و دو کے باوجود وہ علامہ مرحوم کے فلسفہ کو اچھی طرح نہ سمجھ پائے تو انہوں نے خود علامہ سے رجوع کیا اور فرمائش کی کہ وہ اپنے فلسفیانہ خیالات کو ایک مختصر لیکن جامع مضمون کی صورت میں بزبان انگریزی تحریر کر دیں۔ علامہ نے اس فرمائش کی تعمیل میں جو مضمون لکھا اسے پروفیسر نکلسن نے SECRETS OF THE SELF کے شروع میں شامل بھی کر دیا جو ۱۹۲۰ء میں شائع ہوئی تھی۔

ذیل میں ایک تو اس تحریر کا وہ ترجمہ درج کیا جا رہا ہے جو پروفیسر چشتی صاحب نے ۱۹۳۲ء میں کیا تھا اور دوسرے مثنوی اسرار خودی کا وہ خلاصہ بھی درج کیا جا رہا ہے جو پروفیسر صاحب نے اسی زمانے میں خود مرتب کیا تھا۔

اس طرح یہ مضمون علامہ اقبال مرحوم کے فلسفے پر نہایت مختصر لیکن انتہائی جامع اور ساتھ ہی غایت درجہ عام فہم دستاویز کی صورت اختیار کر گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

ظاہر ہے کہ اس کا انداز تمام تر معروضی ہے اور اس کے ذریعے علامہ مرحوم کے فلسفہ کو جیسا کچھ وہ ہے پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے ——— اس لیے اس میں کسی جگہ بھی اختلاف یا اتفاق کا اظہار نہیں کیا گیا ——— !!

آئندہ شمارے میں انشاء اللہ "رموزِ بے خودی" کا خلاصہ بھی شائع کر دیا جائے گا۔ یہ بھی پروفیسر صاحب نے اسی زمانے میں مرتب کیا تھا۔ اس طرح اس پیغام کا خلاصہ بھی سامنے آ جائے گا جو علامہ مرحوم نے اُمّتِ مسلمہ کو دیا تھا اور یہ تینوں مضمون مل کر ایک مکمل وحدت کی صورت اختیار کر لیں گے ——— واضح رہے کہ 'رموزِ بے خودی' کا ترجمہ بعد میں پروفیسر آربری نے کیا جو ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا ——— اسرار احمد

(۱)

اقبال کے فلسفہ کا اجمالی خاکہ

جو انہوں نے نکلسن کی فرمائش پر خود تحریر فرمایا

ترجمہ : پروفیسر یوسف سلیم چشتی

ہر موجود میں انفرادیت پائی جاتی ہے۔ حیات تمام و کمال انفرادی ہے۔ خود خدا بھی اک فرد ہے۔ اگرچہ فردِ کامل ہے۔ کائنات افراد کے مجموعہ کا نام ہے۔ لیکن اس مجموعہ میں جو نظم و نسق اور توافق و تطابق پایا جاتا ہے وہ بذاتہٖ کامل نہیں ہے۔ اور جو کچھ بھی ہے وہ افراد کی جبلّی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ہمارا قدم تدریجی طور پر بدنظمی اور انتشار سے نظم و ترتیب کی طرف اٹھ رہا ہے۔ افرادِ کائنات کی تعداد معین نہیں ہے۔ اس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ یعنی کائنات فعل مختتم نہیں ہے۔ ہنوز مراتب تکمیل طے کر رہی ہے اسی لیے اس کے متعلق کوئی بات حتمی اور اذعانی طور پر نہیں کہی جا سکتی۔ فعل تخلیق ہنوز جاری ہے اور جس حد تک انسان اس

کائنات کے کسی غیر مربوط حصّہ میں ربط و ترتیب پیدا کر سکتا ہے اس حد تک اس کو بھی فعلِ تخلیق میں معاون قرار دیا جا سکتا ہے۔ خود قرآن مجید میں خدا کے علاوہ دوسرے خالقوں کے امکان کی طرف اشارات پائے جاتے ہیں: "فَتَبَارَكَ اللهُ اَحسَنُ الخَالِقِينَ"۔

ظاہر ہے کہ کائنات اور انسان کے متعلق یہ نظریہ ہیگل اور اس کے ہم خیالوں اور اربابِ وحدت الوجود سے بالکل مختلف ہے جن کے خیال میں انسان کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ وہ خدا یا حیاتِ کلّی میں جذب ہو جائے اور اپنی انفرادی ہستی مٹا دے۔

میری رائے میں انسان کا اخلاقی اور مذہبی منتہائے مقصود یہ نہیں کہ وہ اپنی ہستی کو مٹا دے۔ یا اپنی خودی کو فنا کر دے بلکہ یہ کہ وہ اپنی انفرادی ہستی کو قائم رکھے اور اس کے حصُول کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے اندر بیش از بیش انفرادیت پیدا کرے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے: "تخلّقوا باخلاق الله" یعنی اپنے اندر صفاتِ الٰہیہ پیدا کرو۔ پس انسان جس قدر خدا سے مشابہ ہوگا۔ اسی قدر اس کے اندر شانِ یکتائی اور رنگِ انفرادیت پیدا ہوتا چلا جائے گا۔

حیات کیا ہے؟ فرد کا دوسرا نام حیات ہے اور فرد کی اعلیٰ ترین صورت، جو اس وقت تک معلوم ہو سکی ہے خودی (EGO) ہے۔ اگرچہ جسمانی اور روحانی دونوں پہلوؤں سے انسان ایک مستقل بالذات مرکز ہے لیکن ابھی تک فردِ کامل کے مرتبہ کو نہیں پہنچا۔ فرد جس قدر خدا سے قریب ہوگا۔ اسی قدر کامل ہوگا۔ قربِ الٰہی کا مطلب یہ نہیں کہ انسان خدا کی ذات میں فنا ہو جائے، بلکہ اس کے برعکس یہ کہ خدا کو اپنے اندر جذب کرے۔ حیات دراصل اک ترقی کرنے اور کائنات کو اپنے اندر جذب کرنے والی حرکت کا نام ہے۔ جو رکاوٹیں اس کی راہ میں حائل ہوتی ہیں ان پر غلبہ پا کر آگے بڑھتی ہے۔ حیات کا خاصّہ یا جوہرِ طبعی یہ ہے کہ وہ مسلسل نئی آرزوئیں پیدا کرتی رہتی ہے۔ اپنی حفاظت اور ترقی کے لیے اس نے آلات اور وسائل پیدا کر لیے ہیں۔ مثلاً حواس اور ادراک جن کی بدولت وہ مشکلات پر غالب آتی ہے۔ مادہ حیات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے لیکن مادہ کوئی بُری چیز نہیں — بلکہ حیات

© rasailojaraid.com

کے حق میں مفید ہے کیونکہ اسی کی وجہ سے حیات کو اپنی مخفی قوتوں کے بروئے کار لانے کا موقع ملتا ہے۔

جب حیات یا خودی مشکلات پر غالب آجاتی ہے تو مرتبۂ جبر سے مرتبۂ اختیار پر فائز ہو جاتی ہے۔ خودی ایک حد تک مجبور ہے اور ایک حد تک مختار۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے" اَلاِیمَانُ بَینَ الجَبرِ وَالاِختِیَارِ" حیات جب تقرب الٰہی حاصل کر لیتی ہے تو اختیار کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر پہنچ جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ حیات یا خودی، مرتبہ جبر سے مرتبہ اختیار تک پہنچنے کا نام ہے۔

جب حیات انسانیت کا جامہ اختیار کر لیتی ہے تو اس کا نام الیغو یا شخص یا خودی ہو جاتا ہے اور شخصیت جدوجہد کی مسلسل حالت سے عبارت ہے۔ شخصیّت کا قیام اسی حالت کے تسلسل پر منحصر ہے اگر یہ حالت قائم نہ رہے تو لامحالہ تعطّل یا ضعف کی حالت طاری ہو جائے گی اور یہ بات خودی کے حق میں سمِّ قاتل ہے --- شخصیّت (PERSONALITY) چونکہ انسان کا سب سے بڑا کمال ہے اس لیے اس کا فرضِ اوّلین یہ ہے کہ وہ اس جوہر بے بہا کو مسلسل سرگرمِ عمل رکھے اور وہ عمل ایسا ہو کہ خودی کی ترقی کا باعث ہو۔ اسی کو مذہب کی اصطلاح میں "عمل صالح" کہتے ہیں۔ اسی لیے قرآن میں بار بار اس کی تاکید آئی ہے۔

مسلسل جدوجہد ہی زندگی ہے (ع دوامِ ما زسوزِ ناتمام است) جو شے شخصیّت کو پیہم جدوجہد کی طرف راغب کرتی ہے وہ دراصل ہمیں بقائے دوام کے حصول میں مدد دیتی ہے اس لیے حسن یا اچھی ہے اور جو شے شخصیت کو ضعیف یا معطل کرے وہ بُری ہے۔ گویا ہماری شخصیّت جملہ اشیائے کائنات کے حسن و قبح کا معیار ہے۔ مذہب، اخلاق اور آرٹ سب کو اسی معیار پر پرکھنا چاہیے۔

PERSONALITY AS THE CRITERION OF VALUE

میں نے افلاطون کے فلسفہ پر جو تنقید کی ہے اس سے میرا مطلب افلسفیانہ مذاہب

کی تردید ہے جو بقا کے عوض فنا کو انسان کا نصب العین قرار دیتے ہیں۔ یہ مذاہب انسان کو بزدلی سکھاتے ہیں۔ ان مذاہب کی تعلیم یہ ہے کہ مادہ کا مقابلہ کرنے کے بجائے اس سے گریز کرنا چاہیے۔ حالانکہ انسانیت کا جوہر یہ ہے کہ انسان مخالف قوتوں کا مردانہ وار مقابلہ کرے اور انہیں اپنا خادم بنا لے۔ اُس وقت انسان "خلیفۃ اللہ" کے مرتبہ پر پہنچ جائے گا۔

جس طرح خودی کو مرتبۂ اختیار پر فائز کرنے کے لیے ہمیں "مادہ" پر غالب آنا ضروری ہے اُسی طرح اسے غیر فانی بنانے کے لیے ہمیں "زمانہ" پر غالب آنا لازمی ہے۔ مرتبۂ بقا وہی شخص حاصل کر سکتا ہے جو اس کے لیے جدوجہد کرے اور اس کا حصول ہمارے افکار و اعمال کے ان طریقوں پر منحصر ہے جو خودی کی حالتِ کاوش پیہم کو برقرار رکھ سکیں۔ بدھ مذہب اور ایرانی تصوّف اس حالت کے لیے مفید نہیں ہیں۔

اگر خودی کی حالتِ کاوش برقرار رہے تو گمان غالب یہ ہے کہ موت کا صدمہ ہماری خودی کو متاثر نہیں کر سکتا۔ ممکن ہے کہ موت موجودہ زندگی اور آئندہ زندگی کے درمیان ایک وقفہ سکون ہو جسے قرآن شریف عالمِ برزخ سے تعبیر کرتا ہے۔ موت کا صدمہ صرف وہ افراد برداشت کر سکیں گے جنہوں نے اس زندگی میں اپنی خودی کو پختہ کر لیا ہوگا۔

اگرچہ حیات اپنے ارتقائی منازل میں اعادہ اور تکرار کو پسند نہیں کرتی تاہم جیسا کہ وِلڈن کار نے لکھا ہے حشرِ اجساد بھی عین قرینِ عقل ہے۔ زمانہ کو لمحات میں تقسیم کر دینے سے ہم اُسے مکان سے وابستہ کر سکتے ہیں اور اسی لیے اس کو عبور کرنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں۔

زمانہ کی حقیقت اس وقت آشکارا ہو سکتی ہے جب ہم اپنی ذات میں غوطہ زنی کریں کیونکہ حقیقی زمانہ خود ہماری حیات ہی ہے۔ ہم زمانہ کے محکوم اسی وقت تک ہیں جب تک زمانہ کو مکان سے وابستہ سمجھتے ہیں۔ مقیّد بالمکان زمانہ۔ اس زنجیر سے مشابہ ہے جس کو کسی شخص نے اپنے گرد لپیٹ لیا ہو۔ اس زمانہ کو حیات نے اپنے گرد اس لیے لپیٹ لیا ہے تاکہ موجودہ ماحول کو اپنے اندر جذب کر سکے۔ دراصل ہم غیر زمانی ہیں۔ اور موجودہ مقیّد بالزمان زندگی میں بھی کبھی کبھی

© rasailojaraid.co

ہیں اپنے غیر زمانی ہونے کا احساس ہو سکتا ہے۔ اگرچہ یہ بالکل آنی ہو گا۔

خودی میں عشق سے پختگی پیدا ہوتی ہے عشق کے معنی ہیں کسی چیز کو اپنے اندر جذب کرنا یا جزو ذات بنانا عشق کی اعلیٰ ترین صورت یہ ہے کہ ایک نصب العین اپنے سامنے رکھا جائے عشق کی خاصیت یہ ہے کہ وہ عاشق اور معشوق دونوں میں شان انفرادیت پیدا کر دیتا ہے

جس طرح عشق سے خودی میں پختگی اور توانائی آتی ہے سوال سے ضعف اور نقص پیدا ہوتا ہے۔ جو بات ہمیں ذاتی کوششوں کے بغیر حاصل ہو جائے وہ سوال کے ذیل میں آتی ہے۔ چنانچہ جو شخص باپ کے ترکہ سے دولت مند بنتا ہے وہ در اصل سائل یعنی گدا ہے۔ جو شخص دوسروں کے خیالات کو مدار فکر بناتا ہے وہ بھی سائل ہے ؂

خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے مسلماں کو ہے ننگ وہ بادشاہی

عشق کس طرح کرنا چاہیئے ؟ اس کا جواب ایک مسلمان کے لیے آنحضرتؐ کی زندگی میں موجود ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا" لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ آپؐ نے اپنے طرز عمل سے دکھا دیا کہ عشق اس طرح کرتے ہیں۔ پس مسلمانوں کو آنحضرتؐ کا اسوۂ حسنہ اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست بحر و بر در گوشۂ دامان اوست

تربیت خودی کے تین مراحل ہیں (۱) دستور الٰہی کی اطاعت (۲) ضبط نفس (۳) نیابت الٰہی۔

نیابت الٰہی، دنیا میں انسانی ارتقا کی آخری منزل ہے۔ جو شخص اس منزل پر پہنچ جاتا ہے وہ اس دنیا میں خلیفۃ اللہ ہوتا ہے۔ وہ کامل خودی کا مالک اور انسانیت کا منتہائے مقصود اور روح اور جسم دونوں کے لحاظ سے حیات کا بلند ترین مظہر ہوتا ہے یعنی اس کی زندگی میں آ کر حیات اپنے مرتبۂ کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ کائنات کے پیچیدہ مسائل اس کی نظر میں سہل معلوم ہوتے ہیں۔ وہ اعلیٰ ترین قوت اور برترین علم دونوں کا حامل ہوتا ہے اس کی زندگی میں فکر اور

om

علم جبلت اور ادراک سب ایک ہو جاتے ہیں۔

چونکہ وہ سب کے آخر میں ظاہر ہوگا اس لیے وہ تمام صعوبتیں جو انسانیت کو ارتقائی منازل طے کرنے میں لاحق ہوتی ہیں برمحل ہیں۔ اس کے ظہور کی پہلی شرط یہ ہے کہ بنی نوع آدم جسمانی اور روحانی دونوں پہلوؤں سے ترقی یافتہ ہو جائیں۔ فی الحال اس کا وجود خارج میں موجود نہیں لیکن انسانیت کی تدریجی ترقی اس امر کی دلیل ہے کہ زمانۂ آئندہ میں افرادِ کاملہ کی ایسی نسل پیدا ہو جائے گی، جو حقیقی معنوں میں نیابتِ الٰہی کی اہل ہوگی۔

زمین پر خدا کی بادشاہت کے یہ معنی ہیں کہ یہاں یکتا افراد کی جماعت جمہوری رنگ میں قائم ہو جائے ان کا صدر اعلیٰ وہ شخص ہوگا جو ان سب پر فائق ہوگا اور اس کا نظیر دنیا میں نہ مل سکے گا۔

نیٹشے نے بھی اپنے تخیل میں افراد یکتا کی ایسی جماعت کی ایک جھلک دیکھی تھی۔ لیکن اس کے نسلی تعصب نے اس تصویر کو بھونڈا کر دیا۔

(۲)

'اسرارِ خودی'
کے مباحث عالیہ کا مختصر خاکہ

مرتبہ: پروفیسر یوسف سلیم چشتی

علامہ نے اپنے فلسفہ کی جو تشریح فرمائی ہے اس پر اضافہ کرنا میری لیاقت سے باہر ہے لیکن میں ناظرین کی آگاہی کے لیے اسرار خودی کے مباحث کا خلاصہ بیان کرتا ہوں تاکہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے۔

(۱) شاعری علامہ کے لیے مقصود بالذات نہیں ہے۔ ذریعۂ اظہارِ خیالات ہے۔ لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.co

شاعری زیں مثنوی مقصود نیست　　بت پرستی بت گری مقصود نیست [۱۲]

پس جو لوگ اقبال کو محض شاعر تصوّر کرتے ہیں اور اس کے کلام کو عروضی قواعد پر پرکھتے ہیں حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ اقبال شاعر نہیں "پیغام گو" ہے۔

(۲)　خودی اصل نظامِ عالم ہے اور تسلسل حیات استحکام خودی پر منحصر ہے۔ کائنات کی ہر شے میں "خودی" موجود ہے۔

چوں حیاتِ عالم از زورِ خودی است　　پس بقدرِ استواری زندگی است [۱۳]

قطرہ چوں حرفِ خودی از بر کند　　ہستیِ بے مایہ را گوہر کند [۱۴]

(۳)　خودی کی حیات و بقا، تخلیق و تولید مقاصد پر منحصر ہے جس خودی (شخص) کے سامنے کوئی نصب العین نہیں وہ مردہ ہے اس کا عدم و وجود برابر ہے۔

زندگی در جستجو پوشیدہ است　　اصلِ او در آرزو پوشیدہ است [۱۵]

دل ز سوزِ آرزو گیرد حیات　　غیرِ حق میرد چو او گیرد حیات [۱۶]

زندہ را نفیِ تمنا مردہ کرد　　شعلہ را نقصانِ سوز افسردہ کرد [۱۷]

علم از سامانِ حفظِ زندگی است　　علم از اسبابِ تقویمِ خودی است [۱۸]

(۴)　خودی عشق سے مستحکم ہوتی ہے۔

از محبت می شود پایندہ تر　　زندہ تر، سوزندہ تر، تابندہ تر [۱۹]

عشق را از تیغ و خنجر باک نیست　　اصلِ عشق از آب و باد و خاک نیست [۲۰]

خاکِ نجد از فیضِ او چالاک شد　　آمد اندر وجد و بر افلاک شد [۲۱]

(۵)　عشق کا طریقہ محمد عربیؐ سے سیکھنا چاہیے۔

در دلِ مسلم مقامِ مصطفےٰ است　　آبروئے ما زنامِ مصطفےٰ است [۲۲]

آنکہ بر اعداء درِ رحمت کشاد　　مکّہ را پیغامِ لَا تَثْرِیبَ داد [۲۳]

امتیازاتِ نسب را پاک سوخت　　آتشِ او ایں خس و خاشاک سوخت [۲۴]

چوں گلِ صد برگ ما را بو یکیست   اوست جانِ ایں نظام و او یکیست[۲۵]

(۶) بغیر آپؐ کی اتباع کے خودی مرتبۂ کمال کو نہیں پہنچ سکتی۔

عاشقی؟ محکم شو از تقلیدِ یار   تا کمندِ تو کند یزداں شکار[۲۶]

تا خدائے کعبہ بنوازد ترا   شرحِ اِنّی جاعِلٌ سازد ترا[۲۷]

(۷) خودی سوال سے یعنی دوسروں کی نقالی کرنے سے ضعیف ہو جاتی ہے اور ترقی نہیں کر سکتی۔

خود فرود آ از شتر مثلِ عمرؓ   الحذر از منّتِ غیر الحذر[۲۸]

رزقِ خویش از نعمتِ دیگر مجو   موجِ آب از چشمۂ خاور مجو[۲۹]

تا نباشی پیشِ پیغمبرؐ خجل   روزِ فردائے کہ باشد جاں گسل[۳۰]

ہمّت از حق خواہ و با گردوں ستیز   آبروئے ملّتِ بیضا مریز[۳۱]

(۸) جب خودی عشق و محبت سے مستحکم ہو جاتی ہے تو نظامِ عالم کو مسخر کر لیتی ہے۔

پنجۂ او پنجۂ حق می شود   ماہ از انگشتِ او شق می شود[۳۲]

در خصوماتِ جہاں گردد حکم   تابعِ فرمانِ او دارا و جم[۳۳]

(۹) مسئلہ نفئ خودی اقوامِ مغلوبہ کی ایجاد ہے جس کی وجہ سے اقوامِ غالبہ کے قویٰ ضعیف ہو جاتے ہیں اس لیے اس مسئلہ سے احتراز کرنا لازم ہے۔ یہ مسئلہ ہلاکت کا پیش خیمہ ہے۔

صد مرض پیدا شد از بے ہمّتی   کوتہ دستی، بے دلی، دوں فطرتی[۳۴]

(۱۰) افلاطون کے خیالات سے احتراز کرنا واجب ہے کیونکہ اس نے ترکِ عمل کی تعلیم دی ہے اور یہ بات خودی کے لیے مُضر ہے۔

بسکہ از ذوقِ عمل محروم بود   جانِ او وارفتۂ معدوم بود[۳۵]

منکرِ ہنگامۂ موجود گشت   خالقِ اعیانِ نامشہود گشت[۳۶]

قومہا از سُکرِ او مسموم گشت   خفت و از ذوقِ عمل محروم گشت[۳۷]

© rasailojaraid.com

(۱۱) ادبیاتِ اسلامیہ بھی مثل دیگر شعبوں کے محتاج اصلاح ہیں۔ شعراء اور ادباء کو چاہیے کہ ایسے مضامین سپردِ قلم کریں جن سے قوم کی مردہ رگوں میں حرکت پیدا ہو۔

اے میانِ کیسہ ات نقدِ سخن بر عیارِ زندگی او را بزن[۳۸]
فکرِ روشن بیں عمل را رہبر است چوں درخشِ برق پیش از تندر است[۳۹]
فکرِ صالح در ادب می بایدت رجعتے سوئے عرب می بایدت[۴۰]

(۱۲) تربیتِ خودی کے تین مراحل ہیں۔ اطاعت، ضبطِ نفس اور نیابتِ الٰہیہ۔

(ا) اطاعت

در اطاعت کوش اے غفلت شعار می شود از جبر پیدا اختیار[۴۱]
باطنِ ہر شے ز آئینے قوی تو چرا غافل زایں ساماں روی[۴۲]
شکوہ سنجِ سختیٔ آئیں مشو از حدودِ مصطفٰے بیروں مرو[۴۳]

(ب) ضبطِ نفس

ہر کہ بر خود نیست فرمانش رواں می شود فرماں پذیر از دیگراں[۴۴]
تا عصائے لا الٰہ داری بدست ہر طلسمِ خوف را خواہی شکست[۴۵]
ہر کہ در اقلیمِ لا آباد شد فارغ از بندِ زن و اولاد شد[۴۶]
می کند از ما سوٰی قطعِ نظر می نہد سا طور بر حلقِ پسر[۴۷]

(ج) نیابتِ الٰہی

نائبِ حق ہمچو جانِ عالم است ہستیٔ او ظلِّ اسمِ اعظم است[۴۸]
از رموزِ جُزو و کل آگہ بود در جہاں قائم بامر اللہ بود[۴۹]
نوعِ انساں را بشیر و ہم نذیر ہم سپاہی ہم سپہ گر ہم امیر[۵۰]
مدّعائے عَلَّمَ الاسماستے سرِّ سبحان الّذی اسراستے[۵۱]
ذاتِ او توجیہِ ذاتِ عالم است از جلالِ او نجاتِ عالم است[۵۲]

.com
om